مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ کے سوالنامے کا جواب

(بہ سلسلہ زکوٰۃ و عشر)

از جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

زکوٰۃ و عشر کے سلسلے میں تنقیح طلب اُمور کے بارے میں سوال نامہ ملا — تحقیق طلب دینی مسائل کے بارے میں ماہرینِ شریعت کی آرا معلوم کرنا قابلِ تحسین ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت بھی یہ ہے کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کیا جائے (مجمع الزوائد جلد اوّل کتاب العلم) لیکن سوالات کے جوابات لکھنے سے قبل دو اُمور کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک یہ کہ جو مسائل قرآن و سنتِ رسولؐ یا اجماعِ اُمت سے طے شدہ ہوں اُن کے بارے میں سوال اُٹھانا ضروری بھی نہیں ہوتا اور غلط فہمی اور اجماعی مسائل کو مشتبہ بنانے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ مثلاً نصاب میں کمی و بیشی سے متعلق بھی آپ نے سوال کیا ہے حالانکہ زکوٰۃ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کی بنا پر اس میں رد و بدل کیا جا سکے بلکہ یہ ایک عبادت ہے جس کی مقادیر قیاسی اور عرفی نہیں ہوتیں۔ جس طرح نماز کی رکعات میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی اسی طرح زکوٰۃ کے نصاب اور مقدارِ واجب میں بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے لیکن منصوص اور اجماعی امور میں اجتہاد و قیاس سے کام لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ایوب خان مرحوم کے دور میں بھی ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے نصاب میں

رد و بدل کا مسئلہ اٹھایا تھا، جس پر ملک کے سب علماء نے سخت تنقید کی تھی۔ دوبارہ ایسے مسائل اٹھانا کوئی تحقیق و تنقید نہیں ہے۔ بلکہ طے شدہ مسئلے کو دوبارہ اٹھا کر اور موضوع بحث بنا کر شکوک و شبہات کا دروازہ کھولنا ہے۔

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں معتمد اور دیانتدار علماء دین اور ماہرین شریعت بھی شامل ہیں۔ آخر اُن کی آراء اور فیصلوں کو قوم کے سامنے کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ ان کے فیصلوں کی اشاعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کے دینی حلقے اگر ان سے اتفاق کریں ـــــ تو اجماعی نقطہ نظر سامنے آجائے گا اور اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ بھی سامنے آجائے گا۔ اس کونسل کا کام ہی یہ ہے کہ تحقیق طلب دینی امور کا فیصلہ کرے۔ اس کے فیصلے پر ماہرین شریعت کا کوئی دوسرا ادارہ نو نظر ثانی، ترمیم و تنسیخ کا حق رکھتا ہے لیکن صرف انتظامی امور کے ماہرین یہ حق نہیں رکھتے کہ اسے دبا کر دوبارہ غور کرنا شروع کر دیں۔

سوالنامہ الف کے جوابات :۔

۱ـــ فی سبیل اللہ :۔

سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں متعین کردہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے یہ ساتواں مصرف ہے۔ لفظ سبیل اللہ قرآن مجید میں ۶۰ سے زائد مقامات پر آیا ہے۔ اس کے لفظی اور لغوی معنی تو عام ہیں نیکی کے تمام وہ کام اس میں داخل ہیں جن میں اللہ کی رضا ہو لیکن قرآنی اور شرعی اصطلاح میں اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی وہ جنگ اور جد و جہد جس کا مقصد دین اسلام کی نصرت و امداد اور نظامِ کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ اسلامی نظام کو قائم اور غالب کرنا ہو یا اس کا مقصد دارالاسلام (اسلامی ریاست) کا دفاع ہو یا مسلمانوں کو کفار کی بالا دستی اور غلامی سے آزاد کرانا ہو۔

لغات الحدیث کے مشہور امام علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں:۔

وسبیل اللہ عام یقع علی کل عملٍ خالصٍ سلک بہ طریق التقرب

الی اللہ عزوجل الفرائض والنوافل وانواع الطاعات - واذا اطلق فھو فی الغالب واقعٌ علی الجھاد حتی صار لکثرۃ الاستعمال کانہ مقصورٌ علیہ (النہایہ جلد ۲ ص ۱۵٦ مطبعہ خیریہ)

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ائمہ سلفؒ کی عظیم اکثریت (تقریباً بالاجماع) کی رائے یہی ہے کہ مصارف زکوٰۃ کی آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی مسلمان ہیں جو رضاکارانہ طور پر کفر کے خلاف لڑتے ہیں، سرکاری خزانے سے اُن کو باقاعدہ تنخواہیں نہ ملتی ہوں بلکہ اپنی خوشی سے لڑائی میں شریک ہو گئے ہوں - چاروں فقہی مذاہب کی مستند کتابوں کے اقتباسات یہ ہیں:-

۱- حنفیہ | امام سرخسی لکھتے ہیں،

وفی سبیل اللہ فھم فقراء الغزاۃ ھکذا قال ابو یوسفؒ...... ابو یوسفؒ یقول الطاعات کلّھا فی سبیل اللہ ولکن عند اطلاق ھذا اللفظ المقصود بھم الغزاۃ عند الناس ولا یصرف الی الاغنیاء من الغزاۃ عندنا -(المبسوط للسرخسیؒ جلد ۳ ص ۱۰ طبع دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) وھکذا فی الھدایہ - بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۴٦ وفتاوی عالمگیریہ جلد ۱ ص ۱۸۸ وتبیین الحقائق الزیلعی جلد ۱ ص ۲۹۸ والبحر الرائق جلد ۲ ص ۲٦ ومجموعہ شامی وغیرھا کتب الحنفیہ -

یعنی " فی سبیل اللہ سے وہ غازی اور لڑنے والے مراد ہیں جو فقیر اور محتاج ہوں - امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نیکی کے تمام کام اگرچہ سبیل اللہ میں داخل ہیں لیکن یہ لفظ جب مطلق ذکر ہو تو اس سے مقصود غازی ہوتے ہیں - ہمارے نزدیک زکوٰۃ ان غازیوں کو نہیں دی جا سکتی جو اغنیا ہوں "۔

حنفیہ میں سے امام محمدؒ حج کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں اور علامہ کاشانیؒ نے بدائع میں کہا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے سارے کام اس میں شامل ہیں - لیکن امام محمدؒ اور کاشانیؒ دونوں نے حنفیہ کے

کے اس اُصول کو تسلیم کیا ہے کہ فقر و احتیاج بھی شرط ہے۔ اور شخصی طور پر مالک بنانا اور قبضہ دلانا بھی شرط ہے۔ تملیکِ فقیر کے بغیر عامِ رفاہی کاموں پر ان دونوں ائمہ کے نزدیک بھی زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی لیکن حنفیہ کا مفتیٰ بہ اور متداول مسلک وہی ہے جو مبسوط میں بیان ہوا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جو فقراء اور اغنیاء ہوں۔ امام جصاصؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص اگرچہ غنی ہو لیکن جہاد پر جانے کے وقت اسلحہ اور زادِ راہ وغیرہ جنگی ضروریات کے لیے اس کے پاس اپنی گھریلو ضروریات سے زائد مال نہ ہو تو اس کو اسلحہ وغیرہ کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اس لیے کہ یہ بھی فقیر اور محتاج ہے اگرچہ ذاتی اخراجات کے اعتبار سے غنی بھی ہے۔
(احکام القرآن الجصاص جلد ۳ ص ۱۲۷)

۲۔ شافعیہ: قال الامام الشافعیؒ ویُعطیٰ من سہم سبیل اللہ جل وعز من غزا من جیران الصدقۃ فقیراً کان او غنیاً۔ (کتاب الام للشافعی جلد ۲ ص ۲۷، کتاب قسم الصدقات جامع بیان اہل الصدقات)

"امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ سبیل اللہ کی مد میں سے ان غازیوں کو دیا جائے گا جو صدقات تقسیم کرنے کی حدود میں رہتا ہو فقیر ہو یا غنی۔"

فقہ شافعیؒ کی مستند اور متداول کتاب "المہذب" میں ہے کہ سبیل اللہ کی مد سے ان غازیوں کو زکوٰۃ دی جائے گی جو رضاکارانہ طور پر لڑتے ہوں اور حکومت کے خزانے سے ان کو باقاعدہ تنخواہیں نہ ملتی ہوں اس لیے کہ ان کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کی کفالت سرکاری خزانہ کی دوسری مدات سے ہوتی ہے۔ رضاکارانہ طور پر جہاد پر جانے والے کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے خواہ وہ فقیر اور محتاج ہو یا غنی ہو۔ اُس کو اتنی مقدار دی جائے گی جس سے وہ سواری اور اسلحہ خرید سکے اور سفر کی دیگر ضروریات پوری کر سکے۔ "اگر اُس نے زکوٰۃ فنڈ سے رقم تو لی ہو لیکن جہاد میں شریک نہ ہوا ہو تو ادا کردہ رقم اُس سے واپس لی جائے گی" (المہذب مع المجموع شرح المہذب جلد ۶ ص ۲۱۱-۲۱۲- المکتبۃ السلفیہ، مدینہ منورہ)

۳۔ مالکیہ: قال القاضی ابن العربیؒ المالکی:۔

قال مالکؒ سُبُل اللہ کثیرۃ ولکنی لا اعلم خلافاً فی ان المراد

بسبیل اللہ ھاھنا الغزاۃ وقد قال علماؤنا ویعطی منہا الفقیر بغیر خلاف لانہ قد سمی فی اول الایۃ ویعطی الغازی سبیل اللہ ولوکان غنیاً فی بلدہ او فی موضعہ الذی یاخذ بہ لایلتفت الی غیر ذالک من قولہ الذی یؤثر عندہ۔

(احکام القرآن لابن العربی جلد ۲، ص ۹۶۹ طبع دار المعرفۃ بیروت)

امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اللہ کے راستے تو بہت سے ہیں لیکن مجھے اس بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے کہ اس جگہ اس سے مراد غازی ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ غازی اگر فقیر ہو تو اُس کو تو زکوٰۃ بغیر اختلاف کے بالاتفاق دی جا سکتی ہے اس لیے کہ فقیر کا نام تو آیت کے آغاز ہی میں مذکور ہے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک غنی کو بھی مجاہد ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے خواہ اپنے شہر میں غنی ہو یا زکوٰۃ وصول کرنے کے مقام پر غنی ہو۔ امام مالکؒ سے دوسرے کسی منقول قول کی جانب توجہ نہیں دینی چاہیے۔ (یعنی غنی کو جہاد کے لیے زکوٰۃ دینے کا جواز ہی امام مالکؒ کا اصل مذہب ہے)۔

امام قرطبیؒ مالکی فرماتے ہیں:-

ھم الغزاۃ و موضع الرباط یعطون ماینفقون فی غزوھم کانوا اغنیاء او فقراء وھذا قول اکثر العلماء وھو تحصیل مذھب مالک (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۸۵ - طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء)

"سبیل اللہ سے مراد غازی اور سرحدی چوکیاں ہیں، اُن کو زکوٰۃ دی جائے گی تاکہ وہ جہاد میں صرف کریں، خواہ غنی ہوں یا فقیر ہوں۔ یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ اور یہی امام مالکؒ کا اصل مسلک ہے۔" (ونحوہ فی بدایۃ المجتہد جلد ۱ ص ۲۷۷، طبع حلبی ۱۹۶۰ء)

مالکیہ میں سے ابن القاسمؒ سے ابن حبیبؒ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ جہاد پر جانے والا اگر غنی ہو تو اُس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی لیکن ابوزیدؒ نے ابن القاسمؒ سے جواز کا قول بھی نقل

کیا ہے۔ اور امام مالکؒ سے ابن وہبؒ نے بھی یہی قول نقل کیا ہے کہ جائز ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں غنی مجاہد کے لیے بھی زکوٰۃ لینا جائز قرار دیا گیا ہے (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱۸۷)۔

۴۔ حنابلہ | حنابلہ کی مستند کتاب المختصر للخرقیؒ میں ہے:۔

وسھمٌ فی سبیل اللہ وھم الغزاۃ یعطون مایشترون بہ الدواب والسلاح وما ینفقون بہ علی العدو وان کانوا اغنیاء" (الخرقی مع المغنی شرح الخرقی لابن قدامہ الحنبلی جلد ۶ ص ۴۸۲ ـ طبع مکتبۃ القاہرہ مصر ۱۹۶۹ء)

"فی سبیل اللہ سے غازی مراد ہیں ان کو زکوٰۃ دی جائے گی تاکہ وہ سواری اور اسلحہ خرید سکیں اور دشمن کے مقابلے میں خرچ کر سکیں اگرچہ غنی ہوں"

ابن قدامہ حنبلی اسی کی شرح میں لکھتے ہیں:۔ "اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس مد سے مراد غازی ہیں اس لیے کہ سبیل اللہ کا ذکر جب مطلق ہوا ہو تو مراد غازی ہوتے ہیں۔ یہ اگر غنی ہوں پھر بھی اُن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح فرمایا ہے امام مالکؒ نے، امام شافعیؒ نے، اسحٰق بن راہویہ نے، ابن ثور نے، ابوعُبیدؒ نے اور محمد بن المنذرؒ نے، امام ابوحنیفہؒ اور اس کے صاحبین نے کہا ہے کہ فقیر ہی کو دی جا سکتی ہے غنی کو نہیں دی جا سکتی، لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ پانچ افراد اگر غنی ہوں پھر بھی ان کے لیے زکوٰۃ لینا حلال ہے۔ ان میں سے ایک غازی اور مجاہد ہے ..... لیکن یہ حق انہی غازیوں کا ہے جو رضاکارانہ طور پر فرماتے ہیں۔ سرکاری خزانہ سے ان کو تنخواہیں نہ ملتی ہوں"۔ (المغنی لابن قدامہ جلد ۶ ص ۴۸۲ ـ ۴۸۳)

امام احمدؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ حج بھی اس مد میں شامل ہے اور حنابلہ کا اصل مذہب یہی ہے لیکن امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ بھی ہے ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں شامل نہیں ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہ، ابوثور اور ابن المنذر کی رائے بھی یہی ہے کہ حج پر زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:۔

وھذا اصح لان سبیل اللہ عند الاطلاق انما ینصرف الی الجہاد فان کل ما فی القرآن من ذکر سبیل اللہ انما ارید بہ الجہاد الا الیسیر (المغنی جلد ۶ ص ۴۸۳ - ۴۸۴)

"یہی رائے صحیح ہے کہ حج زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے اس لیے کہ لفظ سبیل اللہ جب مطلق ذکر ہوا ہو تو مراد جہاد ہوتا ہے۔ تھوڑے سے مقامات کے علاوہ قرآن میں ہر جگہ اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے"۔

۵۔ ظاہریہ ابن حزم اہل ظاہر کے مشہور امام ہیں، اُن کا مسلک بھی یہی ہے۔

واما سبیل اللہ فھو الجہاد بحق

سبیل اللہ سے مراد شرعی احکام کے مطابق جہاد ہے۔

ان کے نزدیک بھی غنی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جب وہ اُسے جہاد میں خرچ کرتا ہو۔

(المحلی لابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۱ طبع بیروت بتحقیق احمد شاکر)

مذکورہ پانچوں مکاتب فکر اہل سنت والجماعۃ کے متداول اور معتمد مکاتب فکر ہیں۔ ان سب کی تحقیق اور فتویٰ یہی ہے کہ اس مد سے مراد عام نیکی کے کام اور رفاہی ادارے نہیں ہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر کفر کے مقابلے میں لڑنے والے غازی مراد ہیں۔ اور یہی لوگ فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں۔ اختلاف صرف اس مسئلے میں ہے کہ اگر یہ غازی غنی ہوں تو اُن کو جہاد کے مصارف کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ حنفیہؒ کے نزدیک اس صورت میں ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، ان کے نزدیک عاملین کے علاوہ تمام مدات میں فقر و احتیاج شرط ہے۔ لیکن شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ سب کے نزدیک غنی ہونے کے باوجود اُن کو مصارفِ جنگ کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ اُن کو قومی خزانے سے تنخواہیں نہ ملتی ہوں۔ اور وہ زکوٰۃ کی رقم کو جنگی مصارف پر خرچ کرتے ہوں۔ اگر جہاد پر صرف نہ کی گئی ہو تو اُن سے وہ رقم واپس لی جائے گی۔ حنفیہ کے مقابلے میں جمہور کی رائے میرے نزدیک بھی درست ہے، اس لیے کہ اللہ نے جہاد کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے تو جب یہ رقم جہاد ہی پر خرچ ہوتی ہو تو ادا ہو جائے گی غنی شخص اس رقم کو لے کر اپنے اخراجات پر تو خرچ نہیں کرتا بلکہ جہاد کے اخراجات پر خرچ

کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لا تحل الصدقة لغنيّ الا لخمسة لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم او لرجل اشتراها بماله او لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهداها المسكين لغنيّ۔

"یعنی صدقہ (واجبہ) کسی غنی کے لیے حلال نہیں بجز پانچ شخصوں کے۔ ایک وہ جو اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلا ہو، دوسرے عامل صدقہ جو صدقات وصول اور خرچ کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو۔ تیسرے وہ جو مقروض ہو اور قرضہ موجود مال سے زائد ہو۔ چوتھے وہ جو صدقے کا مال کسی مسکین سے قیمتاً خرید لے اور پانچویں وہ جس کا کوئی پڑوسی مسکین ہو اور اس کو کسی نے صدقہ دیا ہو۔ پھر یہ مسکین صدقے کا حاصل شدہ مال اپنے غنی پڑوسی کو بطور ہدیہ، تحفہ یا ضیافت پیش کر دے۔"

(ابوداؤد۔ کتاب الزکوٰۃ باب مایجوز له اخذ الصدقة وهو غنيّ حدیث نمبر ۱۶۳۵
ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ باب من تحل له الصدقة۔ حدیث نمبر ۱۸۴۱)

ابن ماجہ نے اسی روایت کو ابوسعید خدریؓ سے سنداً نقل کیا ہے اور ابوداؤد نے دو سندوں کے ساتھ مسنداً اور دو سندوں کے ساتھ مرسلاً نقل کیا ہے۔ ائمہ سلفؒ اور چاروں فقہا نے اس حدیث پر استدلال کیا ہے اور قابل قبول قرار دیا ہے۔ احناف میں سے بعض نے اس کی تضعیف کی ہے اور بعض نے تاویل کی ہے لیکن ان کی تاویلات اس بارے میں قوی نہیں ہیں۔ جمہور کا مسلک قوی اور صحیح ہے کہ مد جہاد پر صرف کرنے کے لیے فقر شرط نہیں ہے۔

شاذ اور ناقابل قبول اقوال بعض لوگ جو سلف صالحینؒ اور صحابہ و تابعین کی آراء سے آزاد ہو کر اجتہاد کرنے کے عادی ہیں۔ اور جدت پسندانہ ذوق رکھتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اس مد میں مساجد، شفاخانوں اور مسافرخانوں کی تعمیر، کنویں، پل اور سڑکیں بنانا اور اس نوع کے رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر دفتری ضروریات سب شامل ہیں۔ لیکن یہ بات اجماع امت کے خلاف ہے۔ ان حضرات نے ایک تو سبیل اللہ کے لفظی ترجمہ سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ فقہ و حدیث کی غالب اکثریت بلکہ قریب باجماع نے کہا ہے کہ قرآنی اصطلاح

میں یہ لفظ جب مطلق ذکر ہوا ہو تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاحات کے اپنے اصطلاحی مفاہیم ہوتے ہیں۔ صرف لغت کی بنا پر تفسیر کرنے والے بالعموم راہ راست سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انس بن مالکؓ اور حسن بصریؒ نے فرمایا ہے:۔

مَا أَعْطَيْتَ فِي الْجُسُورِ وَالطُّرُقِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مَاضِيَةٌ (المغنی لابن قدامہ جلد ۲ ص ۴۹۷)۔

ایک تو ابن قدامہ نے اس کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے۔ دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امام ابو عُبید قاسم بن سلامؒ نے اس قول کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اس سے مراد پلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور مرمت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تم جب پلوں اور راستوں پر متعین عاشروں یعنی سرکاری عاملین کو زکوٰۃ ادا کر دگے تو یہ ادا ہو جائے گی، دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (کتاب الاموال لابو عبیدؒ ص ۵۷۳ تا ۵۷۵)۔

تیسری دلیل اُن کو یہ مل گئی ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے مصارفِ صدقات کے بیان میں لکھا ہے:۔

وَسَهْمٌ فِي إِصْلَاحِ طُرُقِ الْمُسْلِمِينَ (کتاب الخراج فصل فی الصدقات ص ۸۷)

"یعنی صدقات کا ایک حصہ مسلمانوں کے راستوں کی اصلاح میں صرف کیا جائے گا"۔

یہ فقرہ مبسوط سرخسیؒ اور فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتابوں میں امام ابو یوسفؒ کے بیان کردہ مسلک کے خلاف ہے۔ انہوں نے خود کہا ہے جیسا کہ حوالے پہلے بیان کر دیے ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد عرفاً واصطلاحاً جہاد فی سبیل اللہ ہے حتیٰ کہ حج کو بھی انہوں نے اس میں شامل نہیں کیا۔ حنفی فقہ کی ظاہر روایت اور تمام ائمہ حنفیہ کی واضح تصریحات کے خلاف یہ شاذ اور مشتبہ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔ سڑکوں کی تعمیر اور راستوں کی اصلاح قرآن کریم کی متعین کردہ مدات میں سے کسی مد میں بھی شامل نہیں ہے اور ہر نیکی کا کام سبیل اللہ میں شامل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مصارف متعین کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

چوتھی دلیل انھوں نے یہ تلاش کر لی ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ نے کہا ہے:۔

واعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله تعالیٰ وفی سبیل الله لا یوجب القصر علی کل الغزاة فلهذا المعنی نقل القفال فی تفسیره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله "وفی سبیل الله" عام فی الکل (تفسیر کبیر جلد ۱۶ ص ۱۱۳ مطبعۃ البہیۃ المصریہ ۱۹۳۸ء)۔

"یعنی قفال نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ صدقات بھلائی کے تمام کاموں پر صرف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً مردوں کے کفن، قلعوں اور مساجد کی تعمیر وغیرہ۔ اس لیے کہ سبیل اللہ عام ہے"۔

امام رازی اس عبارت سے قبل مالکؒ، شافعیؒ، احمد، اور ابوحنیفہؒ سب کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اس لفظ سے مراد جہاد ہے اور غازی ہیں۔ قفال نے بعض فقہا کا نام تک نہیں لیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان کا مقام تفقہ فی الدین میں کیا ہے؟ ایسے نامعلوم لوگوں کے شاذ اقوال کی آخر مذاہب اربعہ اور اہلِ ظاہر کے اجماعی فتویٰ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟

نوٹ:۔ سورۂ توبہ کی آیتِ مصارفِ زکوٰۃ کے آغاز میں انما کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں حصر و اختصاص کے لیے آتا ہے۔ یعنی صدقاتِ واجبہ آٹھ مدات کے لیے مخصوص اور انہی میں منحصر ہیں۔ اگر فی سبیل اللہ میں عام رفاہی کام شامل ہوں تو پھر انما کا صیغۂ حصر بے معنی اور معاذ اللہ فضول ہو جاتا ہے۔ زیاد بن حارث صدائی فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ صدقہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا:

ان الله تعالیٰ لم یرض بحکم نبی ولا غیره فی الصدقات حتی حکم فیها هو فجزءها ثمانیة فان کنت من تلك الاجزاء اعطیتك حقك (ابوداؤد کتاب الزکاۃ باب من یعطی من الصدقۃ حدیث نمبر ۱۶۳۰)

" صدقات کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلے کو بھی پسند نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین کر دیے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں سے ہو تو میں تمہارا حق دے سکتا ہوں"۔

اگر اس مد میں ہر قسم کے نیک کام اور رفاہی و سماجی ادارے شامل ہوتے تو پھر اس ارشاد میں کوئی معنویت باقی نہ رہتی بلکہ معاذ اللہ یہ ارشاد بالکل بے معنی اور غلط ٹھہرتا۔

زکوٰۃ فنڈ سے سامانِ حرب خرید کر وقف کرنے کا مسئلہ اس بارے میں تو اتفاق ہے کہ سامان خرید کر مجاہدین کو ملکاً دینا جائز ہے لیکن کیا زکوٰۃ فنڈ سے ہر قسم کا سامان حرب مثلاً ٹینک، توپ، رائفل، بمبار جہاز اور دیگر بری، فضائی اور بحری آلاتِ جنگ اور ذرائع نقل و حرکت خرید کر وقف کیا جا سکتا ہے جن سے بوقتِ ضرورت جہاد کرنے والی فوج کو مسلح کیا جائے لیکن کسی کی شخصی ملکیت نہ ہوں، بلکہ " وقف فی سبیل اللہ" یعنی قومی ملکیت میں ہوں یا زکوٰۃ فنڈ سے جہاد کے لیے اسلحہ ساز فیکٹریاں بنائی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ یا بم بنائے اور خریدے جا سکتے ہیں یا نہ؟ — میری رائے تو یہی ہے کہ زکوٰۃ مذکورہ بالا ساری مدات میں صرف ہو سکتی ہے اس لیے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے اور یہ تمام کام جہاد کی مد میں یقیناً شامل ہیں۔ باقی رہی حنفیہ کی یہ رائے کہ تملیک شخصی ضروری ہے۔ اس کی دلیل میری سمجھ میں نہیں آئی۔ سبیل اللہ سے پہلے حرف فِیْ آیا ہے جو تملیک کے لیے نہیں آتا بلکہ ظرفیت کے لیے آتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ کو دین اسلام کی نصرت اور غلبہ اسلام کے کاموں پہ صرف کیا جائے، کسی فرد کو مالک بنانے کا ذکر اس جگہ نہیں ہوا۔ شرط یہ ہے کہ جہاد کا مقصد اعلاءِ کلمۃ الحق ہو۔ صرف قومی اور قبائلی یا ملک گیری کی جنگ اقتدار نہ ہو اور جہاد کے تمام احکام و آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہی رائے بعض شافعیہ اور مالکیہ کی ہے۔ امام نووی رحؒ فرماتے ہیں:-

قال اصحابنا و الامام بالخیار ان شاء سلم الفرس والسلاح والآلات الی الغازی او ثمن ذالک تملیکا له فیملکه و ان شاء سبحانه وتعالیٰ اشتری من سهم فی سبیل الله افراسا و آلات الحرب وجعلها وقفا فی سبیل الله

ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون اليه ثم يردونه اذا انقضت حاجتهم وتختلف المصلحة فى ذالك بحسب قلة المال وكثرته' (المجموع شرح المهذب للنووى جلد ٦ ص ۲۱۳ - ۲۱۴)۔

"خراسانی علماء نے کہا ہے کہ حکومت اسلامیہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو گھوڑے اسلحہ اور آلاتِ حرب غازیوں کو ملکاً دے دے اور وہ ان چیزوں کے مالک ہو جائیں گے۔ اگر چاہے تو یہ چیزیں غازیوں کے لیے کرائے اور اجرت پر لے اور اگر چاہے تو زکوٰۃ فنڈ کے حصّۂ جہاد سے گھوڑے اور دیگر آلاتِ حرب خرید کر وقف فی سبیل اللہ کر دے۔ ضرورت کے وقت غازیوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں استعمال کے لیے دے دے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو وہ ان کو واپس کر دیں۔ اس بارے میں مصالح مختلف ہو سکتی ہیں۔ مال زکوٰۃ کے کم اور زیادہ ہونے کے اعتبار سے"۔

ابن العربی مالکی اور امام قرطبی مالکیؒ دونوں لکھتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحكمؒ - يعطى من الصدقة فى الكراع والسلاح وما يحتاج اليه من آلات الحرب وكف العدو عن الحوزة لانه كله من سبيل الغزو ومنفعته (احكام القرآن لابن العربى جلد ۲ ص ۹۶۹ وتفسير قرطبى جلد ص ۱۸۵-۱۸۶)

"محمد بن الحکم نے کہا ہے کہ صدقات میں سے گھوڑے خریدنے، اسلحہ خریدنے اور دیگر آلاتِ حرب خریدنے جن کی حاجت ہو اور ہر وہ چیز خریدنے میں رقم دی جا سکتی ہے جس کی دارالسلام کے دفاع کے لیے ضرورت ہو، اس لیے کہ یہ سب جہاد کی مد میں شامل ہیں اور ان سے جہاد کے کام کو فائدہ پہنچتا ہے"۔

تبلیغی اور دعوتی اور تعلیمی ادارے بھی جہاد میں شامل ہیں:۔

فقہاء نے اگرچہ فی سبیل اللہ کی تشریح میں غازیوں کا ذکر کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں

نے یہ لفظ بطور مثال لکھا ہے۔ ورنہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے اور جہاد میں تبلیغی و دعوتی کام بھی شامل ہیں اور تعلیمی ادارے بھی اس میں شامل ہیں بشرطیکہ ان اداروں میں دین اسلام کی تعلیم دی جاتی ہو۔ جہاد صرف لڑنے کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ہر اس جدوجہد پر جہاد کا اطلاق ہوتا ہے جس کا مقصد غلبۂ دین ہو۔ خواہ زبان سے ہو، قلم سے ہو یا دوسرے وسائل سے۔ یہی وجہ ہے کہ النحل ۱۱۰۔ الفرقان ۵۲۔ اور العنکبوت ۶۔ ۶۹ میں بھی جہاد کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں اور مکہ میں لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ میں افرادی قوت، اسلحہ کی قوت اور علمی قوت سب شامل ہیں۔ کفر کا مقابلہ صرف تلوار سے نہیں ہوتا بلکہ علمی استدلال اور دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں سے زیادہ مؤثر طور پر ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں مروی حدیث صحیح میں خود رسول اللہ نے جہاد کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ جہاد بالید، جہاد باللسان اور جہاد بالقلب۔ اس موضوع پر اور بھی متعدد احادیث و آثار ہیں جو اہل علم پر عیاں ہیں۔ امام ابوبکر رازی جصاصؒ اور ابن قیمؒ نے تعلیم اور تعلّم کو جہاد میں شمار کیا ہے، بلکہ جصاصؒ نے تو جہاد بالعلم کو جہاد بالسیف سے افضل قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ نفیر عام نہ ہو (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ ص ۱۱۸-۱۱۹ و زاد المعاد لابن قیم جلد ۲ ص ۳۹۔ ۴۰)۔

دینی مدارس اور دعوتی و تبلیغی تنظیموں کے تمام اخراجات زکوٰۃ فنڈز سے پورے کیے جا سکتے ہیں۔ کتابیں لے کر وقف کی جا سکتی ہیں۔ عملہ و اساتذہ کی تنخواہیں دی جا سکتی ہیں اور طلبہ کے وظائف اور خورد و نوش پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ حنفی مسلک میں زکوٰۃ نادار طلبہ کے علاوہ دیگر مصارف مدرسہ میں خرچ نہیں کی جا سکتی۔ مگر دلیل کے اعتبار سے یہ رائے کمزور ہے۔ جہاد کے مفہوم میں ہر قسم کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں شامل ہیں۔ البتہ ہر قسم کے سماجی اور رفاہی کام اس مد میں شامل نہیں ہیں اس لیے کہ وہ نیکی کے کام تو ہیں مگر جہاد نہیں ہیں:۔

۲ — نصاب کے بارے میں اور فارمولے تلاش کرنا اور اس کی سطح پر نظرثانی کرنا تاکہ نصاب زیادہ بامعنی اور حقیقت پسندانہ ہو جائے "۔ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ سوالنامہ مرتب کرنے والوں کے ذہنوں میں یہ الجھن کیسے پیدا ہو گئی ہے۔ رسول اللہ

نے جو نصاب مقرر فرمایا ہے وہ بامعنی بھی ہے اور حقیقت پسندانہ بھی ہے۔ "معنویت" اور "حقیقت" کو ہم سے زیادہ جاننے والے اللہ اور رسول ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے:-

لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک)

"یعنی پانچ اوقیہ سے کم پر صدقہ واجب نہیں ہے"۔ ۵ اوقیہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے بنتے ہیں۔

یہی حقیقت پسندانہ نصاب ہے۔ سونے کے بارے میں ابن ماجہ اور دارقطنی نے ابن عمرؓ اور عائشہؓ سے، دارقطنیؒ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ابوعبید نے کتاب الاموال میں حضرت عمرؓ سے اور ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے روایات نقل کی ہیں کہ ۲۰ دینار سے کم پر صدقہ واجب نہیں ہے۔ ۲۰ دینار کے ۷ تولے ۶ ماشے بنتے ہیں۔ ان روایات میں بعض مسند ہیں اور بعض مرسل ہیں۔ ان کے اسانید پر بھی بعض نے کلام کیا ہے مگر کثرت اسانید کی وجہ سے قابلِ قبول ہیں۔ سلفؒ نے ان روایات کو قابلِ استدلال قرار دیا ہے اور اسی نصاب پر اجماع ہو گیا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:-

السنۃ التی لا اختلاف فیہا عندنا ان الزکوٰۃ تجب فی عشرین دیناراً عیناً (ذہباً) (موطا امام مالکؒ کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ فی العین)

وھکذا قال الشافعی وابوعبید انہ لا اختلاف فیہ۔ (للام للشافعی جلد ۲ ص ۴۲ وکتاب الاموال لابی عبید ص ۴۰۹)

یعنی "اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سونے کا نصاب ۲۰ دینار (۷ تولہ ۶ ماشہ) ہے"

اموالِ تجارت میں قیمت کا اعتبار ہے۔ سونے اور چاندی میں سے جس کو بھی بنیاد بنایا جائے جائز ہے لیکن اس سلسلے میں فقراء کے فائدے کا لحاظ رکھا جائے جس کی قیمت کم بنتی ہو اسے بنیاد بنایا جائے۔ فقہاء نے "انفع للفقراء" کا ضابطہ مقرر کیا ہے۔ چاندی کے

نصاب میں احادیث قوی ترین اور صحیح ترین بھی ہیں اور اس پر اُمت کا اجماع بھی ہے اور سونے کے نصاب میں اگرچہ اجماع تو ہے مگر یہ اجماع جن احادیث پر مبنی ہے وہ کمزور ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ چاندی ہی کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے اور یہی جمہور فقہا کی رائے ہے۔ باقی رہا آپ کا سوال کہ "کیا ایسے صاحب اہل و عیال کو غیر مستحق زکوٰۃ قرار دینا اور اس سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب ہوگا۔ جس کے کل اثاثے دو ہزار روپے سے کچھ ہی زیادہ ہوں"

تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ۲ ہزار نہیں دس ہزار روپے نقد یا مالِ تجارت ہو مگر اس پر کسی کا قرض ہو یا یہ رقم اُس کی بنیادی ضروریات سے زیادہ نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ عاید نہیں ہوتی لیکن اگر سال بھر کے اخراجات اور قرضوں وغیرہ سے بچ کر سال کے آخر میں اس کی ملکیت میں ۵۲ تولے ۶ ماشہ کے مساوی رقم موجود ہو تو دو ہزار کی خالص بچت میں سے ۵۰ روپے دینے میں آخر کیا مشکل ہے؟ کیا یہ اتنا زیادہ بوجھ ہے کہ اس کی وجہ سے منصوص اور اجماعی نصاب میں ردّو بدل کرنے کے لیے فارمولے تلاش کیے جائیں

اللہ تعالیٰ نے ضروریات سے زائد رقم پر صدقہ واجب فرمایا ہے۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ العفو کی تفسیر میں ابن عباس اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے، ما یفضل عن اھلک (ابن کثیر) یعنی جو تمہارے اہل و عیال کے اخراجات و ضروریات سے بچ جائے اُسے خرچ کرو۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے لاصدقة الا عن ظھر غنی (بخاری ابواب الزکوٰۃ فی ترجمہ الباب)۔

یعنی صدقہ اسی مال پر واجب ہے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

فقہاکرام نے بھی لکھا ہے کہ قرض اور حوائج اصلیہ یعنی بنیادی انسانی ضروریات سے زائد نصاب پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۱۱ زیلعی علی الکنز جلد ۱ ص ۲۵۳۔ البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۲۲ ھدایہ اور مجموعہ شامی جلد ۲ ص ۶)

یاد رہے کہ زکوٰۃ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے اس پر

نظر ثانی کی جا سکے۔ بلکہ یہ ایک مالی عبادت ہے جس میں خالص عقلی وجوہات کی بنا پر کمی و بیشی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص از خود زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، مگر کمی کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اسی طرح بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت زکوٰۃ واجبہ سے زائد بھی حکومت بطور ٹیکس لے سکتی ہے، مگر کمی کرنے کا حق حکومت کو بھی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کا کچھ حصہ حکومت لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دے جسے وہ خود تقسیم کریں اور کچھ حصہ خود وصول کر کے تقسیم کرے۔ منصوص اور پہلے سے طے شدہ اجماعی مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا صحیح نہیں ہے ———— اجتہاد نئے مسائل میں ہو سکتا ہے یا اختلافی مسائل میں اجتہاد کے ذریعے کسی ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دی جا سکتی ہے، مگر یہ کام بھی "فقہاء عابدین" کی ایک جماعت کو کرنا چاہیے۔ انفرادی اجتہاد مناسب نہیں ہے۔ قابلیت اور صلاحیت کے بغیر اجتہاد کرنا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ شریعت کا تقاضا ہے۔

۳۔ بنو ہاشم پر زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی:۔ رسول اللہ نے صریح الفاظ میں فرمایا ہے:۔ انا لا ناکل الصدقۃ (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی و آلہ) صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔ ان الصدقۃ لا تحل لآل محمدؐ یعنی صدقہ آل محمدؐ کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث کتبِ احادیث میں منقول ہیں، جو اپنے مفہوم میں بالکل واضح اور قطعی الدلالت ہیں۔ ان احادیث کی ناسخ احادیث موجود نہیں ہیں۔ اور قیاس و عقل سے احادیث منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ نفلی صدقات میں کچھ اختلاف آرا موجود ہے۔ لیکن صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر وغیرہ کے جائز نہ ہونے پر تقریباً اجماع ہے۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔ لا نعلم خلافاً فی ان بنی ہاشم لا تحل لھم الصدقۃ المفروضۃ (المغنی) یعنی مجھے اس بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں کہ صدقات مفروضہ بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہیں۔"

حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے احکام القرآن للجصاص جلد ۳ ص ۱۳۱۔ الزیلعی علی الکنز جلد ۱ ص ۳۰۰۔ البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۶۵۔ بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۴۹

فتح القدیر مع الہدایۃ جلد ۲ ص ۲۷۲ - ۲۷۳)۔

فقہ حنفی کی ظاہر روایت اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک غیر مشہور روایت منقول ہے کہ چونکہ سرکاری خزانے میں اب مالِ غنیمت کا خُمس نہیں آتا جو اہل بیت پر خرچ کیا جاتا تھا، اس لیے بنوہاشم بنوہاشم پر صدقہ جائز ہے۔ یہ غیر مشہور اور شاذ روایت شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے نقل فرمائی ہے۔ لیکن اس کے بعد امام ابویوسفؒ سے امام ابوحنیفہؒ کا قول عدم جواز کا نقل کیا ہے اور فرمایا ہے۔ وبھذا ناخذ یعنی اسی پر ہم عمل کرتے ہیں۔ تقریباً تمام حنفی علماء نے امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر روایت اور اصل مذہب یہی قرار دیا ہے کہ بنوہاشم پر فرض صدقات ہمیشہ کے لیے حرام ہیں اور جواز کی روایت کو شاذ اور غیر مشہور روایت قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام کتابوں میں اسی طرح کہا گیا ہے۔

بنوہاشم کے مستحقین کی اعانت کا نظام

بنوہاشم کی اعانت کے لیے ایک تو قومی خزانے میں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ جو رقم جس ذریعے سے بھی آتی ہو اُس میں سے علیحدہ فنڈ قائم کیا جائے، سرکاری خزانے میں بھی مستحقین کے حقوق کی دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومت علیحدہ فنڈ قائم کرے اور عوام سے اپیل کرے کہ اس میں تحفے اور ہدیے کے طور پر رقوم جمع کریں اور اس کی وصولی و تقسیم کے لیے علیحدہ ادارہ قائم کیا جائے۔

۴ — مدارسِ دینیہ تو میرے نزدیک فی سبیل اللہ میں شامل ہیں اور اُن کے تمام اخراجات مع معاوضوں کے زکوٰۃ فنڈ سے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ البتہ مساجد اور ان کے امام اس مد میں شامل نہیں ہیں۔ پیش اماموں اور دیگر اہلِ علم کو اگر باقاعدہ عاملین بنادیا جائے تو وہ زکوٰۃ سے بطور عمالۃ یعنی اُجرت کے زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمہ وقتی نہ ہوں بلکہ جز وقتی ہوں تو اسی تناسب سے انہیں اُجرت دی جانی چاہیے۔ اس لیے کہ عاملین کی مد میں جو زکوٰۃ صرف ہوتی ہے وہ بقدرِ عمل ہی دی جاسکتی ہے۔ ساتھ یہ ممکن نہ ہو تو قومی خزانوں سے پیش اماموں کی معقول تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ یہ باعزت زندگی گذار سکیں۔

۵ — سب سے بڑا اعتراض اور شبہ تو یہ ہے کہ حکومت نے سودی نظام ختم نہیں کیا۔ اور بنکوں کے اسی اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے جس میں سود بھی دیا جاتا ہے۔ اس کا

نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ارتکازِ دولت کا سدِ باب نہیں ہوتا۔ سود ہی میں سے اڑھائی فیصد کاٹ لیا جاتا ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ حرام دولت ساری ضبط کر دینی چاہیے اور حلال و طیب مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اموالِ تجارت اور کارخانوں کی مصنوعات کی زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی حالانکہ یہ بھی اموالِ ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اموالِ ظاہرہ کی صحیح تعریف یہ ہے۔ "ہر وہ مال جس کا علم اور اس کا حساب معلوم کرنا مالک کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ممکن ہو"۔ فقہاء نے زمین کی پیداوار، جانور، باغات کے پھل اور وہ اموالِ تجارت جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں فروخت کے لیے لائے جاتے ہوں اموالِ ظاہرہ کہا ہے۔ لیکن یہ بطور مثال ذکر کیے گئے ہیں، بطور حصر کے نہیں ذکر ہوئے۔ اس زمانے میں بینکوں اور کارخانوں کا موجودہ نظام نہیں تھا۔ ورنہ یہ بھی اموالِ ظاہرہ ہی میں شامل ہیں۔ بڑے بڑے کاروباری لوگوں اور کارخانوں کی دولت حکومت سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ ٹیکس کی وصولی کے لیے حکومت نے تشخیصِ ٹیکس کا ایک نظام بنایا ہے۔ اسی نوع کا نظام زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھی بنایا جاسکتا ہے البتہ تشخیص کرنے والا عملہ دیانت دار ہونا چاہیے۔

اگر بالفرض تاجروں اور کارخانہ داروں کا سرمایہ اموالِ باطنہ ہی میں شامل سمجھا جائے، پھر اگر حکومت محسوس کرے کہ لوگ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا نہیں کرتے تو اس صورت میں اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی بھی قانوناً کی جاسکتی ہے۔ اور اس کا مناسب انتظام کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے اسی طرح لکھا ہے ملاحظہ کیجیے۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۴۸۷، بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۷، مجموعہ شامی جلد ۲ ص ۵)۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبران اور چیئرمینوں کے تقرر میں حکومت خود اپنے اعلان کردہ قواعد کی پابندی نہیں کرتی۔ بالعموم ضلعی انتظامیہ انہی لوگوں کو برائے نام انتخاب کے ذریعے نامزد کرتی ہے جو پہلے سے ان کے متعلق ہوتے ہیں۔ دیانت دار اور اہلِ علم حضرات چونکہ اپنی مصروفیات اور اپنی اعلیٰ روایات اور دینی ذوق کی وجہ سے افسروں اور انتظامیہ سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں رکھتے اور ان کے مخصوص کام کے بھی

نہیں ہوتے اور از خود افسروں کی نظر اُن پر پڑتی ہی نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے میں بدنام اور بددیانت قسم کے لوگ ہی کمیٹیوں میں آجاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ صحیح طور پر مستحقین تک نہیں پہنچتی۔ عاملین زکوٰۃ کا منصب بڑا مقدس منصب ہے۔ اس کے لیے مسلمان اور دیانت دار ہونا بھی ضروری ہے اور بقدر ضرورت زکوٰۃ کے مسائل کا علم بھی ضروری ہے۔ اگر نامزدگی ہی کرنا ضروری ہے تو پھر نامزدگی کا اختیار کسی دیانت دار افسر کو دینا چاہیے ضلعی انتظامیہ بالعموم بددیانت لوگوں ہی کو نامزد کرتی ہے۔

۶۔ گداگری کو ختم کرنے کا ایک طریقہ تو یہی ہے کہ جو لوگ معذور ہوں، لاوارث اور بے مال یتیم ہوں، لاوارث اور بے مال بیوائیں ہوں یا بنیادی ضروریات سے کم آمدنی والے مساکین ہوں، زکوٰۃ فنڈ سے ان کے معقول ماہانہ وظائف مقرر کیے جائیں۔ اور عزتِ نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان تک سرکاری طور پر بروقت وظائف دیے جائیں۔ اگر زکوٰۃ فنڈ میں گنجائش نہ ہو تو قومی خزانے سے یہ وظائف مقرر کیے جائیں۔ حکومت کے اخراجات میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم معذوروں اور بنیادی ضروریات سے محروم لوگوں کی کفالت ہے۔ ایسے ادارے بنائے جائیں جن میں ایسے لوگوں کو روزگار مل سکے یا ایسے تجارتی ادارے بنائے جائیں جن کے حصص صرف نادار اور مفلوک الحال لوگوں کو دیے جائیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ متمول لوگوں پر اپنے رشتہ داروں کی کفالت اور خبرگیری بقدر استطاعت اور بقدر ضرورت قانوناً لازم قرار دے دی جائے۔ اگر وہ از خود یہ فرض انجام نہ دیں تو اُن کے سرمایے سے "نفقۃ الاقارب" فنڈ میں حکومت خود لے کر تقسیم کرے۔ اگر کوئی شخص اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ تمام مفلس رشتہ داروں کی کفالت کر سکے تو پھر "اقرب فالاقرب" کا اصول نافذ کیا جائے۔ محارم کا حق غیر محارم سے مقدم رکھا جائے۔ لیکن اگر سب کی کفالت کر سکتا ہو تو غیر محارم کی کفالت بھی لازم کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم میں رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے خبرگیری کرنے کو ان کا حق قرار دیا گیا ہے۔ اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ (بنی اسرائیل ۲۶) "رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔"

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ (النساء - ۳۶)
والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو"۔
سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳ پارہ ۲ - بے مال یتیم کو دودھ پلانے والی کی اجرت وارث پر ڈالی گئی ہے۔ وعلی الوارث مثل ذالک ۔اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مفلس اور محتاج رشتہ داروں کی کفالت متمول وارثوں پر لازم ہے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

وقد استدل لذالك من ذهب من الحنفية والحنبلية وجوب نفقة الاقارب بعضهم على بعض وهو مروى عن عمر بن الخطابؓ وجمهور السلفؒ (تفسیر ابن کثیر سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۲)

امام جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:۔

وهو على قدر حال الرجل فى اعساره و يساره
(احکام القرآن للجصاص البقرہ آیت ۲۳۳)

یعنی اس آیت سے حنفیہ اور حنابلہ نے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ رشتہ داروں کا خرچہ ایک دوسرے پر واجب ہے۔ یہی بات عمر فاروق اور جمہور سلف سے منقول ہے۔" یہ خرچہ مالی حیثیت کے مطابق واجب ہے"۔

مذکورہ بالا دلائل اور اس نوع کی دیگر دلائل بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان متمول افراد پر اپنے رشتہ داروں کی کفالت واجب ہے جن کے پاس اپنے اخراجات سے زائد مال موجود ہو۔ محارم کا حق مقدم تو ہے لیکن بشرط استطاعت غیر محارم رشتہ داروں کی کفالت بھی واجب ہے۔ موجودہ دور کے متمول سرمایہ دار اور جاگیردار عیاشیوں اور فضول خرچیوں پر تو ہزاروں روپے ایک ایک رات میں خرچ کر دیتے ہیں۔ لیکن اپنے رشتہ داروں اور معاشرے کے مفلس لوگوں کو زکوٰۃ تک نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کو مبذرین کہا ہے اور یہ السُّفَهَاء میں شامل ہیں جن کی جائیداد اور کارخانے تبذیر اور عیاشیوں کے انسداد کے لیے بطور تدابیر کے سرکاری تحویل میں (ملکیت میں نہیں) بھی لیے جا سکتے ہیں۔ ولا تؤتوا السفهاء اموالكم

اور جب یہ لوگ تبذیر کو ترک کر دیں گے اور دانا و سیانے (رَشید) ہو جائیں گے تو اُن کی جائیداد اُن کو واپس کر دی جائے گی۔

۷ ــــ سوال نمبر ۵ کے جواب میں عرض کر دیا گیا ہے کہ بینکوں کے تمام اکاؤنٹس اور بڑے بڑے تاجروں اور کارخانہ داروں کی مصنوعات کے اموالِ تجارت سے بھی زکوٰۃ کاٹی جائے۔ یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اگر شامل نہ بھی ہوں تو جیسا کہ حوالے دیئے جا چکے ہیں، فقہاء نے اجازت دی ہے کہ جب لوگ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ دیتے ہوں تو حکومت ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کی تدابیر بھی اختیار کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ سود کی لعنت کو بالکل ختم کر دینا چاہیے اور سود کی جو رقم واجب الادا ہو اُسے اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل کردہ اموال کو بحقِ فقراء ضبط کر لیا جائے۔

۸ ــــ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں اور عوام کو یہ یقین تو دلانا ضروری ہے کہ آپ کی زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ کی جائے گی۔ اور عملاً اس کا ثبوت بھی فراہم کرنا ہوگا تب جا کر لوگوں کو اعتماد حاصل ہوگا اور وہ بطیب خاطر زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ و عشر کے مصارف اور مقاصد کو خود اللہ اور رسولؐ نے متعین کر دیا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کے تعین کی ضرورت نہیں ہے۔ دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں زکوٰۃ دینے والوں سے یہ نہیں پوچھا جاتا تھا کہ تمہاری زکوٰۃ کہاں صرف کی جائے۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ انتظامیہ کو اس سے دِقت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ زکوٰۃ دینے والے الگ الگ مقاصد اور مصارف متعین کریں گے اور ان کا الگ الگ حساب رکھنا پڑے گا جو مشکل سا کام نظر آتا ہے۔ البتہ والدین، باپ دادا اور اولاد کے علاوہ اگر زکوٰۃ دینے والے کے رشتہ داروں کا تعین کیا جائے اور حساب ممکن ہو تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس کی زکوٰۃ کا کچھ حصہ اس کے اقربا کے لیے مختص شدہ فنڈ میں جمع کر دیا جا سکتا ہے۔

۹ ــــ زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں، ممبروں اور سرکاری اہل کاروں کے فرائض کی مؤثر بجا آوری کے معیاروں کو بہتر بنانے کے لیے سب سے پہلا اور ضروری کام تو یہ ہے کہ "عاملین صدقات" کے لیے شریعت نے جن شرائط اور اوصاف کو لازمی قرار دیا ہے، ان کی پابندی کی جائے وہ

شرائط یہ ہیں:-

۱- مسلمان ہونا ۲- مرد ہونا (البتہ بوقت ضرورت عورتوں میں تقسیم کرنے کے لیے عورتوں کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں) ۳- عاقل ہونا ۴- بالغ ہونا ۵- متقی اور دیانت دار ہونا ۶- اور زکوٰۃ کے مسائل سے باخبر ہونا ہے۔ ان شرائط پر جو شخص کم سے کم حد تک بھی پورا نہ ہو، اس کو یہ ذمہ داری نہ سونپنی چاہیے۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ تربیت اور احتساب کا منظم اور مسلسل نظام بنایا جائے۔

۱۰- سب سے اہم ترین کام یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں اسلام کے معاشی نظام کی تعلیم کا مؤثر انتظام کیا جائے۔ اس وقت مغرب کے سرمایہ دارانہ اور سودی نظام پر مبنی اقتصادیات پڑھائی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں سے ایسے ماہرین اقتصادیات تیار ہو کر معاشرے میں جاتے ہیں جو سودی نظام اور سرمایہ دارانہ نظم کی باریکیوں سے تو واقف ہوتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ و عشر کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخبارات و رسائل کے ذریعے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے والوں کے فضائل اور ادا نہ کرنے والوں کی ترہیب و وعید کی اشاعت کی جائے۔ نظامِ زکوٰۃ کی برکات کی تشہیر کی جائے اور مسائل زکوٰۃ بھی نشر کیے جائیں۔ اس کے ساتھ تبذیر و اسراف اور عیاشیوں کی انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔ فکرِ آخرت پیدا کرنے والے پروگرام بھی پابندی کے ساتھ نشر کیے جائیں۔ فحش پروگرام اور شیطانی آوازوں کی نشریات بند کر دی جائیں۔ اس نوع کے پروگراموں سے دل میں غفلت اور قساوت پیدا ہوتی ہے اور فکرِ آخرت کی جگہ فکرِ دنیا غالب آجاتی ہے۔ اذہان و قلوب کو بگاڑنے میں ذرائع ابلاغِ عامہ کے موجودہ پروگراموں کا بڑا حصہ ہے۔

۱۱- زکوٰۃ کے نظام کو مضبوط بنانے کی کچھ تجاویز تو درج بالا سوالات کے جوابات میں آگئی ہیں۔ لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ جب تک سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی سرکوبی نہیں کی جاتی زکوٰۃ کی برکات نظر نہیں آئیں گی۔ اسلامی نظام کی مثال ایک مشینری کی سی ہے اس کا ایک پرزہ بھی اگر خراب ہو جائے تو پوری مشینری بے کار ہو جاتی ہے۔

۱۔ انگریز کی دی گئی جاگیروں کو ختم کیا جائے۔ ۲۔ حرام ذرائع سے بنائی گئی جائیدادوں اور سرمایوں کو ضبط کر دیا جائے۔ ۳۔ تجارت اور صنعت پر مخصوص افراد کی اجارہ داریاں ختم کر دی جائیں۔ ۴۔ سود کے نظام کو ختم کیا جائے۔ ۵۔ تبذیر و اسراف کو بند کرنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس نوع کے اقدامات کیے جائیں تو تب جا کر زکوٰۃ و عشر کا نظام مضبوط ہوگا اور اس کی برکات بھی سامنے آئیں گی۔

سوال نامہ ب کا جواب

سوالنامہ میں یہ تشریح نہیں کی گئی کہ مستحقینِ زکوٰۃ کے لیے کس نوع کے فلاحی ادارے بنانے پیش نظر ہیں اور ان اداروں سے مستحقین کی اعانت کی نوعیت کیا ہوگی؟ مجمل اور مبہم سوال کرنا مناسب نہیں تھا، مگر اصولی قسم کا جواب عرض کیے دیتا ہوں۔ فقہاء حنفیہ کی تو متفقہ رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیکِ شخصی ضروری ہے۔ یعنی مال زکوٰۃ یا اس کی قیمت مستحق کی ملکیت میں دینا شرطاً لازم ہے۔ فقہ حنفی کے تمام مطوّلات مثلاً مبسوط، فتح القدیر، بدائع و صنائع وغیرہ میں اس شرط کا ذکر کیا گیا ہے اور دلائل بھی بیان کر دیے گئے ہیں لیکن تملیکِ شخصی کی قطعی دلیل ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت سے یہ تو ثابت ہے کہ آٹھ متعین مدات کے علاوہ عام رفاہی اور اجتماعی بہبود کے کاموں پر زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ صرف نہیں ہو سکتے۔ مثلاً مساجد کی تعمیر اور سڑکوں وغیرہ پر زکوٰۃ فقہاء اُمت کی غالب اکثریت کے نزدیک صرف نہیں ہو سکتی۔ دلائل سوالنامہ الف کے جوابات میں درج ہیں۔ لیکن مستحقِ زکوٰۃ کو شخصی طور پر مالک بنانے کی شرط لگانا میری سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔

میری رائے تو یہی ہے کہ زکوٰۃ و عشر سے ایسے فلاحی ادارے بنائے جا سکتے ہیں جن سے استفادے کا حق صرف فقراء و مساکین کو حاصل ہو اور ان کے منافع بھی صرف فقراء کو ملتے ہوں، البتہ ان اداروں کے منتظمین اگر مستحقین زکوٰۃ نہ ہوں تو ان کے معاوضے زکوٰۃ فنڈ سے نہیں دیے جا سکتے۔

قومی زکوٰۃ فاؤنڈیشن کو مرکزی اور صوبائی زکوٰۃ فنڈوں سے بقدر ضرورت اور بقدر گنجائش ہی رقوم فراہم کی جاسکتی ہیں - یہ تو متعلقہ انتظامیہ ہی فیصلہ کرسکتی ہے کہ رقم کتنی دی جائے - البتہ یہ ضروری ہے کہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ادارے مرکزی زکوٰۃ کونسل کے ماتحت ہوں - یہ اصولی جواب ہے آپ کا سوال مبہم ہے - اگر تفصیلی ہوتا تو سمجھنے میں اور جواب دینے میں آسانی ہوتی -

سوالنامہ ج کا جواب

ضلعی سطح پر بھی زکوٰۃ کنونشن منعقد کرنا مفید ہے - ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ کنونشن کے شرکا کو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے انتظامی اور حساب کتاب رکھنے کے طریقوں سے بھی آگاہ کیا جائے - اور زکوٰۃ و عشر کے ضروری شرعی مسائل بھی بتائے جائیں اور اخلاقی تربیت سے متعلق پروگرام بھی اس میں شامل ہوں -

ایسے کنونشن ہر ضلع میں سال میں دو مرتبہ منعقد ہونے چاہئیں اور تاریخوں کا تعین ہر ضلع کے موسمی حالات اور دیگر کوائف کی روشنی میں ضلعی زکوٰۃ کمیٹی یا ضلعی انتظامیہ خود کرے گی -

نوٹ :- اس کنونشن پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ صرف نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اگرچہ شرکاء کنونشن عاملین تو ہیں مگر کنونشن زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے سلسلے میں نہیں بلایا جاتا بلکہ تربیت و تعلیم کے لیے اور ہدایات دینے کے لیے بلایا جاتا ہے - عامل زکوٰۃ کا مستحق اسی وقت ہوتا ہے جب وہ وصولی یا خرچ کا عمل کرتا ہو - عاملین کی تیاری پر اور تربیت پر دوسری فنڈز سے خرچ کرنا چاہیے -

سوالنامہ د کا جواب

زکوٰۃ کمیٹیوں کے ممبر اور چیئرمین اور اسی طرح زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم سے متعلق تمام لوگ اوپر سے لے کر نیچے تک "عاملین" کہلاتے ہیں - عاملین کی تعریف یہ ہے :-

هم الذين يستعملهم الامام على جمع الصدقات ويعطيهم مما يجمعون كفايتهم وكفاية اعوانهم (المبسوط للسرخسی جلد ۳ ص ۹ طبع بیروت ۱۹۷۸ء)

"عاملین وہ لوگ ہیں جنہیں حکومت نے صدقات جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی ہو، حکومت اُن کو ان کی جمع کردہ زکوٰۃ میں سے اتنا حصہ دے گی جو اُن کی اور ان کے مددگار عملہ کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔"

اگر یہ کارکن اور افسر تحصیل و تقسیم کا کام ہمہ وقتی طور پر کرتے ہوں تو مروجہ سکیلوں کے مطابق اُن کو اتنا معاوضہ دیا جائے گا جو اُس کی ضروریات کے لیے کافی ہو سکے لیکن اگر وہ جز وقتی طور پر کام کرتے ہوں تو اُس کے کام اور دیئے ہوئے وقت کے تناسب سے معاوضہ دیا جائے گا۔

تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں سواریوں، سٹیشنری اور دیگر تمام دفتری ضروریات بھی زکوٰۃ فنڈ سے پوری کی جا سکتی ہیں یعنی ادارہ زکوٰۃ سے متعلق تمام ضروریات زکوٰۃ فنڈ سے پوری کی جا سکتی ہیں۔

لیکن تحصیل و تقسیم کے علاوہ دیگر مصارف مثلاً کنونشنوں یا اجلاسوں میں شرکت کے اخراجات زکوٰۃ فنڈ سے پورے نہیں کیے جا سکتے اس لیے کہ یہ "عملِ تحصیل و تقسیم" سے متعلق کام نہیں ہیں۔

سوال نامہ ۷ کا جواب

تربیتی کورسوں میں شرکت کے لیے سفری سہولتیں اور سواری کی سہولتیں دینی چاہئیں یا یومیہ بھتہ دیا جائے البتہ یہ تمام سہولتیں زکوٰۃ فنڈ سے نہیں دی جا سکتیں اس لیے کہ تربیتی کورس اور اجلاسوں میں شرکت "تحصیل و تقسیم زکوٰۃ کا عمل نہیں ہے"۔ تاکہ اُن کو عاملین میں شمار کیا جا سکے۔

دوسری فنڈز سے ان کو یہ سہولتیں دینی چاہئیں لیکن اسراف کی حد تک نہیں بلکہ اعتدال کی حدود میں رہتے ہوئے بقدر ضرورت ہی دینی چاہئیں۔

مقدار کا تعین متعلقہ انتظامیہ خود ہی صحیح طور پر کر سکتی ہے۔

سوال نامہ "د" کا جواب

اس سوال کا جواب سوالنامہ "ج" کے جواب میں آگیا ہے۔ مزید عرض یہ ہے کہ سرکاری اہل کاروں اور تینوں سطحوں کی زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمینوں اور ممبروں کی تربیت کے لیے ماہرین شریعت اور ماہرینِ نظم ونسق سے ایک مختصر سا نصاب تیار کروایا جائے اور یہ نصاب باقاعدہ پڑھا جائے۔

نیز قرآن کریم یا تفسیر پڑھانے کے لیے مراکزِ درس قرآن بنائے جائیں اور تمام ممبروں اور متعلقہ افراد کے لیے ان مراکز درس میں شرکت لازمی قرار دی جائے۔ جو ممبر یا چیئرمین یا سرکاری اہل کار کسی بد دیانتی یا اخلاقی جرم میں مبتلا ہو جائے یا نماز روزے کی پابندی نہ کرتا ہو، اس کی ممبر شپ اور عہدہ ختم کر دیا جائے۔ "احتساب" کا مؤثر انتظام کیا جائے اور حسابات کے آڈٹ کا معقول نظم قائم کیا جائے۔

لیکن سب سے اہم چیز افسرانِ بالا اور تربیت دینے والے کی اپنی دیانت داری ہے، ورنہ یہ تربیتی نظام بے کار ثابت ہو جائے گا۔

خطوط مودودیؒ — رفیع الدین ہاشمی سلیم منصور — ۲۵/- روپے

مولانا مودودیؒ کے معاشی تصورات — محمد اکرم خاں — ۱۸/- "

فقہ الزکاۃ — یوسف القرضاوی مکمل سیٹ — ۱۱۰/- "

البدر پبلی کیشنز - اردو بازار، لاہور ۲